تنظیم اسلامی کا تصور انقلاب: ایک مطالعہ

A Study of *Tanzeem-i-Islāmī's* Concept of Revolution

Muhammad Mahmood Raza

Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies & Arabic, Gomal University D.I.Khan

Shafique Ahmad Khan

Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies, Islamia University Bahawalpur

Taswar Hussain

Doctoral Candidate Islamic Studies, The Islamia University Bahawalpur, Bahawalpur

Abstract

Historically, the French Revolution, the Russian Revolution and the Iranian Revolution are among the most important revolutions in the world. But the fact is that the only perfect revolution in the world is the "Muhammadan Revolution. This paper studies *Tanzeem-i-Islāmī's* concept of revolution according to Islamic teachings and the *Sīra* of Prophet Muhammad. The gist of the whole debate on the concept of revolution of the *Tanzeem-i-Islāmī's* is that it does not consider change in the religious field as revolution but revolution as a fundamental change in the political, economic and social system of the society. The study presents useful insights from the writings of the founder of *Tanzeem-i-Islāmī*, *Dr. Israr Ahmad* regarding the strategy for the revival of Muslim Ummah.

Key Words: *Tanzeem-i-Islāmī*, revolution, Muslim Ummah

تمہید

انقلاب سے مراد تبدیلی کا پیدا ہونا ہے، فکر اور عمل میں سے ایک یا بیک وقت دونوں میں تبدیلی لانا، سوچوں کی سمت صحیح اور عمل کی سمت درست کرنا انقلاب کہلاتا ہے۔ اس وقت انقلاب ایک معروف اصطلاح بن چکی ہے۔ یہ اصطلاح آج کل سوشیالوجی، سیاست اور تاریخ کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ معاشرے کی ہر اس بڑی تبدیلی کو جس میں ایک فرسودہ صورت حال آناً فاناً بالکل برعکس تازہ و توانا صورت حال میں بدل جائے انقلابی تبدیلی کہلاتی ہے۔ قرآنِ مجید میں انقلاب کا لفظ پلٹنے، پھرنے اور بدلنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: انْقَلَبْتُمْ عَلَى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ [1] (تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا۔) قاموس الفقہ میں اس کے لغوی معنی بدل ڈالنے کے ہیں۔[2] جبکہ صاحب لسان العرب کے نزدیک انقلاب سے مراد ہے: الرجوع مطلّقا [3] (مکمل طور پر پلٹ جانا۔) فیروز اللغات میں انقلاب سے مراد تغیر و تبدل، گردش دور، زمانہ کا چکر کھانا، نیرنگ زمانہ، بنیادی تبدیلی، پرانے سیاسی یا معاشی نظام کی جگہ نئے نظام کا نفاذ ہے۔[4] جبکہ Webster's Dictionary میں انقلاب کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

> The over throw and replacement of a government or political system by those governed-An extensive or drastic change in a condition, method, Idea etc.[5]

ڈاکٹر محمد طاہر القادری اپنی کتب میں انقلاب کے حوالے سے بہت کچھ سامنے رکھتے ہیں، ان کی تعریف کے مطابق انقلاب سماجی اور معاشرتی سطح پر مکمل تبدیلی اور مطلوبہ معیار کی طرز پر زندگی کے ڈھل جانے کا نام ہے۔[6] اسی طرح مولانا عبید اللہ سندھی جنہیں 'امام انقلاب' کہا جاتا ہے، انہوں نے بھی اپنے لٹریچر میں انقلاب پر بہت کچھ لکھا ہے۔

اگر تاریخی جائزہ لیا جائے تو انقلاب فرانس، انقلاب روس اور انقلاب ایران کا شمار دنیا کے اہم ترین انقلابات میں ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا واحد کامل ترین انقلاب "انقلاب محمد ﷺ" ہے، جس کے مقابلے میں دنیا کے تمام انقلابات جزوی محسوس ہوتے ہیں اور اس انقلاب میں ایک فرد سے لیکر معاشرہ تک ہر پہلو، ہر رخ اور ہر زاویہ سے سب کچھ بدلا۔

انجمن خدام القرآن کے مؤسس، تحریک خلافت پاکستان کے بانی اور مشہور و معروف داعی و مبلغ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ (متوفی: 2010ء) اور ان کی قائم کردہ جماعت "تنظیم اسلامی" نے بھی اس معاشرہ میں انقلاب کا تصور پیش کیا۔ جس کا تجزیاتی جائزہ ہم نے اپنے اس مضمون میں لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے تصورِ انقلاب پر تجزیہ ان کے فکر و عمل اور کارہائے نمایاں کو مشکوک بنانے کے لیے نہیں، بلکہ ان کے تصورِ انقلاب کے ان پہلوؤں اور نکات کو نمایاں کرنا ہے جو علم و عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اصلاح طلب یا لائقِ تصحیح نظر آتے ہیں۔ اگرچہ سچا مجتہد ہمیشہ خالص نیت رکھتا

ہے، لیکن بشری تقاضوں کے تحت اس سے کوئی غلطی کا صدور ہو تو اس پر بھی ایک اجر کی نوید حدیثِ مبارکہ میں سنائی گئی ہے: إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ"[7] "جب حاکم کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اسے دہرا ثواب ملتا ہے اور جب کسی فیصلہ میں اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اسے اکہرا ثواب ملتا ہے۔"ان حقائق کے پیشِ نظر ذیل میں تنظیم اسلامی کے تصورِ انقلاب اور اس انقلاب کے مختلف لوازمات و پہلوؤں کو ڈاکٹر صاحب کی کتب سے اکٹھا کیا گیا اور پھر اس پر غیر جانبدارانہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ آخر میں خلاصہ بحث بھی پیش کیا گیا ہے۔

تنظیم اسلامی کے مفہومِ انقلاب کا جائزہ

انقلاب کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کے حوالے سے تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی رائے کچھ یوں تھی کہ انقلاب کے لغوی معنی ہیں تبدیلی، لہٰذا ہم یہ لفظ کسی بھی لفظ کے ساتھ جوڑ کر استعمال کر لیتے ہیں، مثلاً علمی انقلاب، ثقافتی انقلاب، سائنسی انقلاب، فوجی انقلاب، لیکن لفظ "انقلاب" کے اصطلاحی مفہوم میں اس استعمال کی گنجائش نہیں، بلکہ کسی معاشرے کے سیاسی نظام، معاشی نظام یا سماجی نظام میں سے کسی ایک میں بنیادی تبدیلی کو صحیح انقلاب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔آج کی اصطلاح میں انقلاب اس اجتماعی نظام میں کسی تبدیلی کو کہتے ہیں، مذہبی میدان میں کسی بڑی سے بڑی تبدیلی کو انقلاب نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ اس مذہبی تبدیلی سے سیاسی، معاشی اور سماجی نظام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، مذہبی تبدیلی کی انسانی تاریخ میں سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ 300ء میں شہنشاہِ روم قسطنطینِ اعظم نے عیسائیت اختیار کر لی تھی اور تین براعظموں پر مشتمل پوری سلطنت عیسائی ہو گئی، لیکن اتنی بڑی مذہبی تبدیلی کا نام کبھی انقلابات کی تاریخ میں نہیں گنوایا گیا، لہٰذا انقلاب (Revolution) وہ تبدیلی کہلائے گی جو کسی ملک کے سیاسی نظام، معاشی نظام یا سماجی نظام سے متعلق ہو اور بنیادی نوعیت کی ہو۔[8]

تنظیم اسلامی انفرادی اور مذہبی میدان میں تبدیلی کو انقلاب تصور نہیں کرتی بلکہ معاشرے کے سیاسی، معاشی، سماجی نظام میں بنیادی تبدیلی رونما ہونے کو انقلاب کہتی ہے۔حالانکہ اگر جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی معاشرہ میں کوئی بھی تبدیلی فرد کی ذہنی، قلبی اور اخلاقی تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح فرد کے مذہب کی تبدیلی بھی کسی اجتماعی انقلاب کی پہلی سیڑھی بن سکتی ہے کیونکہ انسان کی جملہ اعمال وتصورات سب اس کی ذہنی ساخت، قلبی کیفیت اور اخلاق وعادات کے مطابق ہی سرزد ہوتے ہیں۔ حدیثِ مبارکہ میں بھی انسان کے کل بگاڑ اور بناؤ کا دارومدار دل کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے:"أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ"[9] "جان رکھو بیشک بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ سنور گیا تو سارا بدن سنور گیا اور جو وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ گیا۔ یاد رکھو وہ ٹکڑا دل ہے۔"

یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ڈاکٹر صاحب اسلامی انقلاب کے لیے فرد کی قلبی، ذہنی اور اخلاقی اصلاح کو نظر انداز کریں، انہوں نے اپنے انقلابی مراحل میں یہ بات سامنے رکھی کہ فرد کی تبدیلی کے بغیر انقلاب کا تصور محال ہے۔البتہ اپنے مفہومِ انقلاب میں ڈاکٹر صاحب نے اس بات کو وضاحت کے ساتھ پیش نہیں کیا کہ اجتماعی انقلاب سے پہلے انفرادی انقلاب کا پیدا ہونا ہی دراصل اجتماعی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

تنظیم اسلامی کا تصور انقلاب

تنظیم معاشرے میں جن اجتماعی گوشوں میں تبدیلی چاہتی ہے ان میں سیاست، معیشت اور معاشرت کے موجودہ دائرہ کار و نظام ہائے زندگی کو تبدیل کرکے خلافت علی منہاج النبوۃ (خلافت راشدہ) کے طرز و طریقے پر قائم کرنے کا ایک انقلابی منشور یا تصور پیش کرتی ہے۔جس کی تفصیل ذیل میں دی گئی ہے۔

سیاسی میدان میں تصور انقلاب

تنظیم اسلامی کے سیاسی میدان کے تصور انقلاب میں جن تین اہم لوازمات کا تذکرہ ملتا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

1۔اللہ تعالیٰ کی حاکمیت

سیاسی میدان میں یہ بات تسلیم کی جائے کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے، تنظیم اسلامی کے انقلابی منشور میں پہلی شرط لازم یہ ہے کہ بندہ حاکمیت سے اللہ کے حق میں دستبردار ہو جائے اور تسلیم کرلے کہ حاکمیت اللہ کے لیے ہے، بندہ محض اُس کا خلیفہ ہے۔اگرچہ ہمارے ملک میں دستور کی اساس قرار دادِ مقاصد میں اللہ کی حاکمیت کا یہ اقرار صراحت کے ساتھ موجود ہے۔اس میں کہا گیا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور ہمارے پاس جو بھی اختیارات ہیں وہ ہمارے ذاتی نہیں بلکہ عطا کردہ ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقدس امانت ہیں۔یہ اختیارات انہی حدود میں رہ کر استعمال ہوں گے جو اصل حاکم نے معیّن کی ہیں۔ گویا دستوری سطح پر خلافت کا اعلان کر دیا گیا۔ لیکن اس کے عملی نفاذ کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔جو تنظیم کے انقلاب کی منزل و مقصود ہے۔[10]

2۔ قانون سازی قرآن و سنت کے مطابق

تنظیم اسلامی کے تصور انقلاب کا دوسرا لازمہ یا نقطہ یہ ہے کہ دستوری سطح پر طے کر دیا جائے کہ یہاں کوئی قانون کتاب و سنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا۔اس لیے کہ اللہ کی حاکمیت کا نفاذ ہو گا کیسے؟ مقنّنہ جو بھی ہو، اس کا نام چاہے پارلیمنٹ ہو، مجلس ملی ہو، مجلس شوریٰ ہو یا کسی اور نام سے موسوم ہو، اس کا دائرہ قانون سازی کیا ہوگا؟ یہ ادارہ یعنی مقنّنہ جدید ریاستی ڈھانچے کا اہم حصہ ہے۔ چنانچہ دستوری سطح پر یہ طے کر دیا جائے گا:

> "Legislature's authority is limited by the injunctions of the Quran and the Sunnah"[11]

3۔ مخلوط قومیت کی نفی

اس انقلاب کا تیسرا لازمہ مخلوط قومیت کی نفی ہے جسے دنیا کے کسی بھی جمہوری نظام میں شامل کر کے اسے نظامِ خلافت بنایا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ اصولی طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی حیثیت اقلیت کی ہے۔ وہ اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شہری نہیں ہیں۔ یہ بھی بہت ہی کڑوی گولی ہے جسے نگلنا اور ہضم کرنا آسان نہیں ہے، کیونکہ عہدِ حاضر میں پوری دنیا کی سیاست کی گاڑی سیکولرازم اور نیشنلزم کے دو پہیوں پر چلتی ہے۔ گویا مذہب اور سیاست میں کامل علیحدگی وجود میں آچکی ہے۔ مذہب ایک شہری کا انفرادی معاملہ ہے جب کہ سیاست، معیشت اور سماجی وعائلی نظام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، ایک ملک میں رہنے والے تمام افراد برابر کے شہری ہیں۔مگر یہ بات نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ صرف نظری طور پر (یا زبانی دعوے کے مطابق) یہ سب برابر کے شہری ہیں ورنہ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں گوروں اور کالوں کے درمیان اور بھارت میں شودر اور برہمن کے فرق وتفاوت سے پوری دنیا آگاہ ہے۔ وہاں یہی معاملہ مسلم اور غیر مسلم کا بھی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نظریاتی طور پر بھارتی دستور یہی کہتا ہے کہ ہر بھارتی برابر کا شہری ہے۔[12] عہدِ حاضر کے پُر فریب افکار و نظریات میں سے ایک مساوی شہری ہونے کا یہ تصور ایسا دلفریب ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی اور تصور نگاہوں میں جچتا ہی نہیں۔ لیکن یہ بات لازمی ہے کہ اگر آپ نظامِ خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں تو مخلوط قومیت کی نفی کرنا ہو گی۔ یہ بات بھی نوٹ کرنی چاہیے کہ جداگانہ قومیت ہی پاکستان کی ماں ہے۔کانگریس کا موقف تھا کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام افراد خواہ وہ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور پارسی ہوں، سب ایک قوم ہیں، جبکہ ہم نے کہا کہ ہم اس بات کو صحیح نہیں مانتے۔ ہماری قومیت ہمارے مذہب کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے اسلامی ریاست میں غیر مسلم کی حیثیت ذِمی کی ہے۔[13]

سیاسی تصورات پر نقد

تنظیم اسلامی کے تصورِ انقلاب کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی قطعاً، بلا شرکتِ غیر حاکمیتِ مطلقہ پر ہے۔ یہ ایک ایسی بنیاد ہے کہ پاکستان کی کوئی مذہبی سیاسی جماعت اس کا انکار نہیں کرتی۔ قراردادِ مقاصد سے لے کر 1973ء کے آئین تک تمام دساتیر میں خداوند تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ کا اعتراف اور اقرار کیا گیا۔ اسی بنیاد کو لے کر تنظیم اسلامی کام کر رہی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ 74 سال تک آئینی اور دستوری سطح پر خدا کی حاکمیت کا اقرار واعتراف آئینی اور دستوری طور پر کرنے کے باوجود حاکمیتِ الٰہیہ کا عملی نظام ریاستِ پاکستان میں تو کیا قائم ہونا تھا، مذہبی جماعتوں کے داخلی سسٹم میں بھی اس کی جھلک نظر نہیں آتی۔ اور پاکستان کی اولین دستور ساز اسمبلی کے اراکین سے لے کر موجودہ پارلیمنٹ کے ممبران تک بحیثیت مجموعی ان کی زندگیوں میں بھی خدا تعالیٰ کی حاکمیت کا عملی تصور محال اور ناممکن ہے۔ چنانچہ محض یہ کہہ دینا کہ اسلامی انقلاب کی بنیاد خدا تعالیٰ کی حاکمیت پر ہے، یہ ایک نظری، فکری، علمی، تصوراتی، کتابی، اعتقادی بات تو ہو سکتی ہے، لیکن جب تک خداوند تعالیٰ کی حاکمیت کے عملی نفاذ کی قانونی، انقلابی، ذہنی، سماجی، اخلاقی، معاشی اور سب

سے بڑھ کر عالمی سطح پر فیصلہ کن عملی اقدامات نہ اٹھائے جائیں، تو یہ تصورِ حاکمیتِ الٰہیہ کتابوں اور تقریروں کا موضوع ہی بنا رہے گا۔ اور اس حاکمیت کے قیام کے لیے کلمہ طیبہ میں جو ترتیب ہے، وہ خداوند تعالیٰ کی وحدانیت والوہیت کے اعتراف پر غیر اللہ کی حاکمیت والوہیت پر مقدم ہے۔ چنانچہ جس طرح امراض سے بچاؤ کے لیے مریض میں بیماری کے خلاف قوتِ مزاحمت کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح حاکمیتِ الٰہیہ کے راستہ میں مزاحمت کرنے والی باطل قوتوں کا کلی استیصال لازم ہے۔ کیونکہ کلمہ طیبہ میں غیر اللہ کی نفی مقدم اور رب تعالیٰ کی وحدانیت مؤخر ہے۔ چنانچہ حاکمیتِ الٰہیہ کی راہ میں حائل طاغوتی طاقتیں بھلا کس طرح حاکمیتِ الٰہیہ قائم کرنے والی جماعت اور ان کے اقدامات کو برداشت کرے گی؟ لہٰذا حاکمیتِ الٰہیہ کی بات کرنا محض ذلک قولھم بأفواھھم ایک فکری اور نظری پہلو ہے اور اس راہ میں مزاحم قوتوں کا مقابلہ جان توڑ اور جگر شکن محنت شاقہ کا عمل ہے۔ لہٰذا تنظیم اسلامی کی قیادت ہر گزرتے دن کے ساتھ حاکمیتِ الٰہیہ کے نفاذ کی عملی، قانونی، انتظامی، سماجی اور تعلیمی ہر پہلو پر روشنی ڈالے اور ہر سطح پر اپنے رفقاء کو واضح اور بھرپور پالیسی اور لائحہ عمل دے اور رفقاء میں بھی اس کو ادا کرنے میں کوئی پس و پیش نظر نہیں آنا چاہئے۔

خاص طور پر دنیائے کفر اسلام کو مٹانے کے ایک نقطہ پر عسکری، سیاسی، معاشی، تعلیمی ہر لحاظ سے متحد ہے اور مسلم دنیا نفاذِ اسلام کے ایک نقطہ پر منتشر اور متفرق ہے۔ آخر ایسی کون سی فرقہ واریت ہے کہ جو اسلام مٹانا چاہتا ہے اور مسلمانوں کے اندر وہ نہ پائی جاتی ہو۔ اسلام کے مقابلہ میں کفر متحد اور کفر کے مقابلہ مسلم امہ منتشر ہے۔ تو اس انتشار وافتراق کے عالم میں حاکمیتِ الٰہی کا نظام کیسے قائم ہوگا؟ کیسے چلے گا؟ کیسے اس کا دفاع کیا جائے گا؟ جبکہ خود مسلمانوں کے اندر ایسی کثیر تعداد سیکولر ذہن لوگوں کی موجود ہے جو حاکمیتِ الٰہیہ کے نظام کو پہلے محال اور ناممکن سمجھتے تھے، پھر مذاق اڑانے لگے اور اب حاکمیت الٰہیہ کے نظام کو روکنے کے لیے عالمی طاغوت کے آلہ کار بننے سے بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ لہٰذا حکمت وتوازن کا تقاضا یہ ہے کہ حاکمیت الٰہیہ کے نظام کو فرضی، ذہنی، فکری نظام کی بجائے تمام شعبہ ہائے حیات میں اس کے عملی نفاذ کے لیے مادی وسائل اور افرادی قوتوں کو اتحاد، ایمان، تنظیم کے آفاقی اصولوں کے مطابق اپنایا جائے۔ بھلا جو مسلمان ایک دوسرے کی مساجد میں جانا گوارا نہیں کرتے، وہ ایک دوسرے کے فقہی نظام کو کیسے قبول کریں گے؟ چنانچہ اس طرح کے سب پہلوؤں پر تنظیم اسلامی کو گہری نظر رکھنی ہوگی۔

مخلوط قومیت کی نفی پر تجزیہ

مخلوط قومیت کی نفی کا تصور ڈاکٹر صاحبؒ نے عین اسلامی ریاست کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر پیش کیا۔ لیکن تصورِ انقلاب کا یہ پہلو اپنے اندر خفیف علمی نکات اور عملی خلا رکھتا ہے۔ علمی لحاظ سے یہ پہلو مدنظر رہنا چاہئے کہ تنظیم اسلامی میں مخلوط قومیت کی نفی سے کہیں اقلیتی افراد کے لیے اسلام کی دعوت کا سلسلہ ہی بند نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے جب ایک ملکی اقلیت کو کافر، اچھوت اور ناپاک کہا جائے گا تو وہ دعوت اسلام کو سننا بھی پسند نہیں کریں گے۔ لہٰذا اس کے لئے کوئی نرم اور خوش نما پالیسی اختیار کرنی پڑے گی۔ اسی طرح یہ پہلو بھی سامنے ہو کہ کسی بھی مرحلہ میں اس مخلوط قومیت کی نفی

کے اصولی موقف کو عالمی میڈیا اور رنگ برنگی این۔جی۔اوز اقلیتوں کے بنیادی انسانی حقوق سے متصادم قرار دے سکتے ہیں اور عالمی میڈیا و ملکی میڈیا کے جھوٹے واویلے کو روکنے کے لیے تنظیم کے پاس نہ افراد ہوں، نہ وسائل ہوں اور نہ میڈیا کی طاقت ہو۔ تاریخ اور حالاتِ حاضرہ یہی بتاتے ہیں کہ وسائل، طاقت، پلاننگ، حکمت عملی اور پروپیگنڈا کے بغیر سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ فی زمانہ کفار کا تمام شعبہ ہائے حیات میں غلبہ ہے اور مسلم امہ ہر لحاظ سے پسماندہ، کمزور، منتشر اور بے وسیلہ ہے۔ ان حالات میں مخلوط قومیت کی نفی کے ساتھ ساتھ اس خلا کو پُر کرنے کی پلاننگ بھی مدنظر رہنی چاہیے جو مخلوط قومیت سے الگ ہو کر سماج اور ریاست میں پیدا ہوگا۔ اس کی مثال ہمیں سیرت النبی ﷺ میں بھی ملتی ہے کہ جس میں مواخات کا پلیٹ فارم مخلوط قومیت کی نفی سے پیدا ہونے والے خلا کو داخلی طور پر پُر کرتا ہوا نظر آتا ہے اور اس قومیت کی نفی سے جو خارجی سطح پر خلا پیدا ہوا، اس کی تلافی ہمیں میثاق مدینہ میں نظر آتی ہے۔

معاشی تصور انقلاب کا جائزہ

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق اگر مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام سے تین چیزیں نکال دیجیے تو وہ اسلامی نظامِ معیشت میں ڈھل جائے گا۔ پہلی چیز جو مغربی سرمایہ دارانہ نظام سے نکالنی ہے وہ ربا (سود) ہے۔ یہ ربا نظامِ معیشت میں بری طرح پیوست اور رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ جسے ٹکڑے کیے بغیر نہیں نکالا جاسکتا۔ ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے اس عمل ہی کا نام انقلاب ہے۔ دوسری چیز جو سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت سے نکالنی ہے وہ جوا ہے۔ تیسری چیز جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کو نکال دیجیے۔ بظاہر یہ تین چیزیں بہت چھوٹی لگتی ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ نظام کو مکمل طور پر بدلے بغیر ان کو نکالنا ممکن نہیں ہے۔[14] اس کے ساتھ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی کتاب "خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام" میں سود کی شناخت، اس کا دائرہ، قمار یا جوئے کی حقیقت، نظام جاگیرداری، مزارعت کے بارے فقہا کا نقطہ نظر اور زکوۃ کا نظام لاگو وغیرہ کرنے کی وضاحت کے ساتھ تنظیم کا انقلابی تصور بھی واضح کیا ہے۔[15]

اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ معاشی نظام میں ڈاکٹر صاحب کا سود، جوا اور موجودہ نظام زمینداری نکالنے کا مطالبہ عین اسلامی تصور ہے۔ لیکن سوال پھر وہی پیدا ہوتا ہے کہ ان تین چیزوں کو نکال کر کون سی تین چیزیں اس میں شامل کی جائیں جس سے اس نظام کی تطہیر اور تکمیل کا عمل پورا ہو جائے۔ جہاں تک سود، جوا اوسٹہ کو ختم اور نکالنے کا تعلق ہے تو نفسِ سود کی حرمت کی پوری امت متفق ہے۔ لیکن سود کی تعریف پر اتنے وسیع اختلافات موجود ہیں کہ جس کے نیچے نفی سود پر اتفاق رائے دب کر رہ جاتا ہے۔ پھر یہ اختلاف رائے علمی دنیا سے نکل کر جب عملی دنیا کے نظام بینکنگ، تجارت، سٹاک ایکسچینج کے میدان میں اترتا ہے تو اس کے عملی تقاضوں کی تکمیل کے لیے ایک نئی فقہ اور نئے تعامل امت کی ضرورت ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب اسے نکالنے کی تو بات کرتے ہیں، لیکن اس کے متبادل کے لیے جو پیش کرتے ہیں، جمہور امت اسے ڈاکٹر صاحب کی ذاتی رائے قرار دیتے ہیں، نہ کہ شریعت کا اصلی مزاج۔ اس طرح

مخالفین سود ربا کی متبادل اساس پر اس کی تعریف کی طرح منتشر ہیں۔ اور حامیان سود سودی نظام کے تسلسل اور نفاذ پر متفق ہیں۔ یہی حال کچھ سٹہ وجوا کا ہے، جن کی حرمت میں بھی کوئی ادنی سا شک نہیں، لیکن ان سب کے لئے منتشر گروہ متحد گروہ کا مقابلہ کیسے کر پائے گا؟ یہی صورت حال تیسری چیز کی ہے۔ یعنی انگریزوں کا قائم کردہ نظام جاگیرداری۔ تنظیم اسلامی اسے اسلامی انقلاب کی راہ میں بہت بڑا رکاوٹی پتھر سمجھتی ہے۔ انتہائی قابلِ افسوس امر یہ ہے کہ غیر مسلم ہندوؤں نے انگریز کے قائم کردہ نظام جاگیرداری سے چھٹکارا حاصل کر لیا، لیکن ہم 74 سالوں میں اس ظالمانہ نظام جاگیرداری کو ختم کرنے کی بجائے مضبوط سے مضبوط کر رہے ہیں۔ ایک طرف ڈاکٹر صاحب کم سے کم ناگزیر خون ریزی کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف پاکستان میں قائم نظام معیشت کی شاہ رگ (سود، سٹہ، جاگیرداری) کو کاٹتے ہیں۔ تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ شاہ رگ تو کٹے لیکن خون نہ بہے۔ اس کا حل بھی ہمیں سیرت النبی ﷺ میں نظر آتا ہے۔ اسلام نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا، اس میں شدید ترین حرام چیز سود کو سب سے آخر میں حرام کہا۔ اور بائیس سال کے عرصہ میں غیر سودی معیشت کی ذہنی، فکری، ایمانی، روحانی، اعتقادی، معاشی بنیادیں استوار کیں۔ پھر ان بنیادوں پر اسلامی انقلاب کی تعمیر ہوئی اور سود کی نفی مشکل نہ رہی۔ آج سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اس کے عملی تقاضے پورے کیے جائیں تو ان سے نجات ممکن ہو سکتی ہے۔

جس طرح اسلام نے اضطراری حالت میں خنزیر تک کھانے کو لازم نہیں، بلکہ جائز قرار دیا، اسی طرح ذہنی اور تعلیمی انقلاب کے ذریعہ سود، سٹہ اور جاگیرداری کے خاتمہ کی متبادل اساس قائم کرنے سے پہلے ان کے خاتمہ کی بات کرنا بات کی حد تک تو درست ہے، لیکن عمل کی حد تک ناممکن ہے۔ چنانچہ سیرت النبی ﷺ میں پہلے ناممکن کو ممکن بنایا، پھر انقلاب برپا ہوا۔ یہاں پر بھی تنظیم کو عملی طور پر اس نظام کے قیام و نفاذ کے لیے فرد سے لے کر عالمی سطح تک تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر بھرپور تیاری کرنی ہو گی۔

معاشرتی تصورِ انقلاب کا جائزہ و تجزیہ

تنظیم اسلامی معاشرتی و سماجی سطح پر اپنے انقلابی تصور کو واضح کرتی ہے کہ پیدائشی طور پر تمام انسان برابر ہیں۔ گویا کامل انسانی مساوات موجود ہے۔ پیدائشی طور پر نہ کوئی اونچا ہے نہ نیچا، نہ نسل کی بنیاد پر، نہ رنگ کی بنیاد پر اور نہ جنس کی بنیاد پر۔ دین اسلام اس طرح کی کسی تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ لہذا تنظیم کے تصور انقلاب میں سماجی سطح پر کامل انسانی مساوات پہلا اصل الاصول ہے۔ البتہ تنظیم کے منشور کے مطابق دستوری اور قانونی سطح پر مسلم اور غیر مسلم کے درمیان فرق ہو گا۔ یہ فرق بھی محض انتظامی ضرورت کے تحت ہے۔ اس لیے کہ ہم کو ایک نظام چلانا ہے اور نظام وہی چلا سکتا ہے جو اس کی صداقت پر ایمان رکھتا ہو۔ لہذا نظام خلافت چلانے کی ذمہ داری صرف مسلمانوں کی ہے۔ غیر مسلم اس نظام کو نہ چلا سکتے ہیں اور نہ چلانے کا حق رکھتے ہیں۔ اسی طرح ایک تقسیم انتظامی اعتبار سے ہے۔ یہ تقسیم افسر اور ماتحت کی ہے۔ اداروں کو چلانے کے لئے اس تقسیم اور فرق کو ہمیں تسلیم کرنا ہو گا۔

یورپین مغربی خاندانی نظام جس کو اس وقت مشرقی ممالک نے بھی اپنانا شروع کر دیا ہے اس پر تنظیم اسلامی شدید تنقید کرتی ہے اور بانی تنظیم اس کے حوالے سے کہتے ہیں کہ وہاں بوڑھے والدین کو اولڈ ہومز میں بھیج دیا جاتا ہے، اس سے ہم ان کی حسرت اور محرومی کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس طرح فحاشی و بے پردگی اور والدین کا مناسب خاندانی نظام نہ چلانے کی وجہ سے وہ معاشرہ کھوکھلا ہو چکا ہے، اور المیہ یہ ہے کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں بھی اس طرح کا خاندانی نظام پنپ رہا ہے۔ لہٰذا اس نظام کی بجائے تنظیم اسلامی دین کی روشنی میں تبدیلی کا اپنا ایک نقطہ نظر پیش کرتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

> اگرچہ شرفِ انسانیت کے اعتبار سے مرد اور عورت برابر ہیں۔ روحانی اور اخلاقی بلندی کے لیے میدان دونوں کے لیے کھلا ہے۔ لیکن جب ایک مرد اور ایک عورت رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے تو اب (انتظامی طور پر) برابر نہیں رہے۔ اس لیے کہ اب ایک ادارہ وجود میں آ گیا ہے۔ یہ خاندان کا ادارہ ہے اور ہر ادارے کے لیے ایک سربراہ ہونا لازم ہے۔ کسی ادارے میں برابر کے درجے والے دو سربراہ ہوں تو اس کا بیڑہ غرق ہو جائے گا۔ خاندان کے ادارے کا سربراہ مرد ہے۔ لہٰذا اس ادارے کے استحکام کے لئے جملہ تمام امور میں مرد کی قوامیت کی ضرورت ہے۔[16]

تنظیم اسلامی خاندان کے ادارے کے استحکام کے لیے ستر و حجاب کو لازمی قرار دیتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک ستر و حجاب کی پابندی کے باوجود عورت کو بہت زیادہ آزادی حاصل ہے۔ عورت کاروبار کر سکتی ہے اور اپنی جائیداد رکھ سکتی ہے، بس شرط یہ ہے کہ معاشرت مخلوط نہ ہو۔ ہمارے معاشرے میں زنانہ اور مردانہ کالج علیحدہ علیحدہ موجود ہیں، لیکن جب ہم خواتین یونیورسٹی کے علیحدہ قیام کی بات کرتے ہیں تو مغرب زدہ طبقہ کے حلق میں یہ مطالبہ نہ جانے کیوں ہڈی بن کر پھنس جاتا ہے۔ اسی طرح سے زنانہ اور مردانہ ہسپتال بھی علیحدہ علیحدہ بنائے جا سکتے ہیں۔ جو ہسپتال زنانہ ہوں وہاں مریض خواتین ہی کو داخلہ ملے اور ڈاکٹر بھی خواتین ہی ہوں۔ زنانہ ہسپتالوں میں نرسیں بھی عورتوں میں سے ہونی چاہئیں جبکہ مردانہ ہسپتالوں میں مرد نرسوں کا اہتمام ہونا چاہیے۔ اسی طرح کیا پی آئی اے میں کھانے اور ناشتے کی ٹرے مرد نہیں پیش کر سکتا؟[17] ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں: "اس ضمن میں یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ آج کی دنیا معاشی دنیا ہے۔ اس معاشی دوڑ میں اگر آپ اپنی آبادی کے پچاس فیصد کو علیحدہ رکھیں گے تو دنیا کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ اس کا جواب ہے کہ ایک دفعہ عزم کر لیا جائے تو راستے کھلتے چلے جائیں گے۔ آپ گھریلو صنعتوں کا اہتمام کیجیے، عورتوں کو گھر پر کام دیجیے، تاکہ انہیں نکلنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ اسی طرح پرائمری ایجوکیشن مکمل طور پر خواتین کے حوالے کر دی جائے، مگر یہ معاملہ تیسری چوتھی جماعت تک ہی ہونا چاہیے، اس سے آگے نہیں۔ اس کے علاوہ ایسے صنعتی یونٹ بنائے جا سکتے ہیں جہاں عورتیں ہی نگرانی کریں اور عورتیں ہی کام کریں۔ اس ضمن میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ

عورتوں کے اوقاتِ کار مردوں کے مقابلے میں کم ہوں تاکہ وہ ایک بیوی اور ماں کی حیثیت سے بھی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے وقت نکال سکیں۔"[18]

تنظیم اگرچہ سماجی سطح پر انقلاب برپا کرنے کا عزم رکھتی ہے۔ لیکن افراد و وسائل کی کمی کی وجہ سے ان کے تصورِ انقلاب کی رفتار وقت کی رفتار سے بہت پیچھے ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا بہت برحق ہے کہ انسانوں کے مابین پیدائشی لحاظ سے کوئی سماجی فرق ذات پات، اونچ نیچ نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اس ظالمانہ سماجی نظام کی جگہ نظام حق لانے کے لیے تنظیم اسلامی کو طریقہ کار اکیسویں صدی کے جدید تقاضوں سے مربوط اور ہم آہنگ رکھنا ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب ایک طرف جہاں عورت کو آزادانہ طریقہ سے معاشرتی جدوجہد کرنے کا حق دیتے ہیں دوسری طرف ستر وحجاب کی پابندی کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں لیکن دیکھا جائے تو عصر حاضر میں کوئی کاروبار حج، عمرہ، سفر، تعلیم، علاج کا کوئی مرحلہ تصویر کے بغیر ممکن نہیں۔ تھانہ، کچہری، عدالت میں بہت سے قانونی تقاضے پورے چہرے کی تصویر کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے اور پھر جب تصویر کا یہ لازمی استعمال ہوگا تو چہرے کے پردے کی شرائط کس درجہ میں لائق عمل ہوں گی؟ ایک عرصہ تک اسلامی قوتیں خواتین کی علیحدہ یونیورسٹیز قائم کرنے پر زور لگاتی رہیں، لیکن انہی اسلامی قوتوں کے مخلص افراد مخلوط نظام تعلیم کا حصہ بنے رہے۔ خود بھی پڑھاتے رہے اور اپنی خواتین کو بھی داخل کرواتے رہے۔ لیکن اب عورتوں کی تعداد بڑھ جانے سے مردوں کی تعداد بہت کم نظر آتی ہے۔ گویا قدرت نے خود بخود مردانہ یونیورسٹیز کو زنانہ یونیورسٹیز میں تبدیل کر دیا۔ اب زنانہ مردانہ ہسپتال الگ بنانے کی بات کی جارہی ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ فی الوقت جب خواتین مرد ڈاکٹر حضرات سے تعلیم حاصل کرکے ڈاکٹر بنیں گی تو پھر الگ ہسپتال کی ضرورت کیسے باقی رہے گی؟

اگر سماجی رسومات کا جائزہ لیا جائے تو مسلم سماج اس وقت واضح طور پر دو طرز ہائے عمل اختیار کیے ہوئے ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ یورپی تہذیب کا پیروکار نظر آتا ہے اور غیر تعلیم یافتہ طبقہ ہندوانہ رسومات اور نیم تعلیم یافتہ طبقہ یورپ اور ہندوانہ رسومات کے خلط مبحث میں گرفتار ہے۔ اسلام کا نام نکاح، پیدائش، موت کے وقت ہی لیا جاتا ہے اور شرعی تقاضوں کی تکمیل کر دی جاتی ہے۔ لیکن ان شرعی تقاضوں میں بھی رسومات اور بدعات کی آمیزش نے معمولی درجے کا سماجی نقشہ بھی دنیا میں نظر نہیں آتا۔ اسی طرح آج کی جدید دنیا میں جس طرح سے داڑھی والے مردوں پر دہشت گردی اور حجاب والی عورتوں پر ظالمانہ پابندی عائد کرنے کا الزام میڈیا و این۔ جی۔ اوز کی طرف سے دھر دیا گیا اور اس طرح کی دیگر سماجی غیر اسلامی رسومات، کھیل اور شوبزنس کی کسی سرگرمی کے خلاف کسی بیان یا پالیسی کو سیکولر میڈیا، این جی اوز، علمائے سوء، اسلام دشمن جماعتیں، اسلام مخالف گروہ، دین بیزار قوتیں مزید بڑھا چڑھا کر سادہ، نوخیز، غیر پختہ ذہن کے مالک کثیر تعداد مسلمانوں کے سامنے رکھتے ہیں تو وہ ان کو دین سے بے زار اور گمراہ کرکے بڑے پیمانے پر انقلاب دشمن قوتوں کی مدد کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔

اس طرح کے جھوٹے پروپیگنڈے کو اس وقت مزید تقویت ملی جب مسلم امہ کے اندر ہر طرح کے اختلافات موجود اور اتفاقات مفقود ہیں۔ میڈیا کی ہر طرح کی طاقت، سیکولر اور اسلام دشمن یا اسلام بیزار لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے عالمی، قومی، سیاسی تصورِ انقلاب کی راہ میں اسلام کی انفرادی اور مذہبی تعلیمات کو رکاوٹ نہ بننے دیا جائے۔ چہرے کے پردے کی وجوبیت اور استحباب اور داڑھی کے سائز کا دارومدار فرد کی ان آزادیوں تک چھوڑ دیا جائے جو آزادیاں قرآن نے انسان کو عطا کی ہیں۔ قرآن نے کفر کے بھیانک انجام سے باخبر کرنے کے باوجود یہاں تک فرما دیا: فمن شاء فلیؤمن، ومن شاء فلیکفر[19] اور دوسری جگہ کہا: إنا ھدیناہ السبیل إما شاکرا وإما کفورا[20] لہٰذا جب ایمان وکفر کے رد وقبول کا راستہ قرآن نے بلا جبر واکراہ کھلا رکھا تو اسلام کے اندر رہتے ہوئے بعض جزوی اعمال پر اس قدر زور دینا ایک دوسرے طرز کی انتہا پسندی کہی جا سکتی ہے۔ چنانچہ فرد کی جائز آزادیوں کو بھی انقلابی عمل میں گوارا کرنا چاہیے۔ ان کے بارے میں راہِ اعتدال اختیار کرنا ضروری تھا۔

اب ان حالات ذرا تصویر کا دوسرا رُخ دیکھ لیا جائے، اور وہ یہ کہ آخر وہ کون سی طاقت ہے جو ایک مسلمان مرد کو صبح اٹھتے ہی نماز وتلاوت کی بجائے ایک بہت ہی خوبصورت سنتِ رسول ﷺ کو اپنے چہرے سے ہٹانے پر بلا احساس گناہ تیار کرتی ہے۔ اور وہ کون سا ماحول اور تقاضے اور سوچ اور مجبوریاں ہیں جو ایک مسلم خاتون کو شرعی ستر وحجاب سے باہر لے کر آتی ہیں۔ بنیادی طور پر اس کی دو وجوہات ہیں:

1۔ داخلی لحاظ سے اسلامی تہذیبی اقدار سے لاعلمی اور بے تعلّقی

2۔ اور خارجی دنیا میں اسلام دشمن تہذیب کا غلبہ

اب ان دونوں چیزوں کے خلاف جہاد اپنے ذاتی، گروہی جذبات کی بجائے اسی حکمتِ عملی اور دعوتی اسلوب سے کیا جا سکتا ہے جس طرح حضور ﷺ نے اپنی دعوت اور کردار کی طاقت سے کیا تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب اکثر اپنی تحریروں اور تقریروں میں امام مالک کا یہ قول نقل کرتے تھے: "وَلَا يُصْلِح آخِر هَذِهِ الْأُمَّة إِلَّا مَا أَصْلَح أَوَّلَهَا" [21] "اس امت کے بعد کے لوگوں کی اصلاح اسی طریقہ پر ہوگی جس طریقہ پر پہلے لوگوں کی ہوئی تھی۔"

خود نبی کریم ﷺ کو ستر وحجاب کی پابندی، اسلامی حدود کے نفاذ اور حرمتِ خمر ومیسر کے لیے طویل جدوجہد کرنا پڑی۔ یہ ساری چیزیں مکہ میں ممکن نہ تھیں۔ اسی طرح مکہ سے زیادہ بگڑے ہوئے مسلم معاشرے میں بھی فوری طور پر ان کا نفاذ اور ان کے متعلق سخت لب ولہجہ اختیار کرنا تدریج کے اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی بیان کردہ تاریخِ نبوت سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب نوح □ ساڑھے نو سو سال تک اسلامی معاشرے کے قیام کی کوشش کرتے رہے: "وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا" [22] "ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ پچاس کم ایک ہزار برس اُن کے درمیان رہا۔" لیکن نتیجہ خود ہی قرآن نے بتا دیا کہ: "أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ" [23] "میں مغلوب ہو چکا، اب تو اِن سے انتقام لے۔" اس کے برعکس تاریخِ نبوت کے تین

روشن ترین کردار جناب یوسف، جناب داؤد اور سلیمان نوح کے مقابلہ میں انتہائی قلیل عرصہ حیات کے باوجود مثالی عالمی اسلامی ریاست قائم کرکے دنیا کے سامنے اسے اس قدر کامیابی سے چلاتے ہیں کہ عالمِ کفران کی قائم کردہ فلاحی اسلامی ریاست کے فیصلوں اور پالیسی کو اسی طرح قبول کرتا ہے جس طرح آج ہم یورپ کی صنعتی اور سائنسی اور سماجی فلاح کے تصورات کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس کی بنیادی وجہ خود ارشاد فرمادی کہ ان انبیاء کی دعوت اپنے ہاتھ میں سماج کی تمام قوتیں رکھتی تھی۔ قرآن حکیم نے اسی لیے یہ حکم نوح کی بجائے داؤد کو دیا:

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ [24]

اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر۔

اس پورے بیان میں یہ بات بہت توجہ طلب ہے کہ اسلامی سوسائٹی کا قائم نہ ہونا معاذ اللہ نوح ﷺ کی ناکامی نہیں تھی۔ ناکامی اور محرومی تو اس سماج کی تھی جسے قرآن حکیم نے اندھی قوم قرار دیا ہے: " إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ " [25] "یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔"

بہرحال تنظیم اسلامی اپنے انقلابی فکر پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نظر ثانی کرتی رہے گی اور اپنی زندگی میں ڈاکٹر صاحب نے جو انقلابی جدوجہد کی، وہ انسانی کمزوریوں کے باوجود اپنے خلوص نیت کی بنا پر اللہ کے ہاں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ [26] "جواب میں ان کے رب نے فرمایا، "میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے اُن کے سب قصور میں معاف کردوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ اُن کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کی زندگی بھر کی محنت اور کوشش اللہ کے ہاں رائیگاں نہیں جائے گی، لیکن بعض ناگزیر بشری تقاضوں اور حالات کی مجبوریوں نے تنظیم کی دعوت میں مطلوبہ اوصاف پیدا نہیں ہونے دیے۔ بڑی حد تک امید ہے کہ ان کے خلوص نیت، جہد مسلسل اور عزم ویقین کی وجہ سے ان کی قائم کردہ تنظیم وللآخرۃ خیر لک من الاُولی کے مصداق بہتری کی طرف رواں دواں رہے گی۔

خلاصہ بحث

تنظیم اسلامی کے تصورِ انقلاب پر پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تنظیم اسلامی مذہبی میدان میں تبدیلی کو انقلاب تصور نہیں کرتی بلکہ معاشرے کے سیاسی، معاشی، سماجی نظام میں بنیادی تبدیلی کو انقلاب کہتی ہے،لہٰذا انھی اجتماعی دائروں یعنی سیاسی، معاشرتی و سماجی اور معاشی میدان میں انقلاب لانے کا تصور پیش کرتی ہے۔ تنظیم اسلامی سیاسی سطح پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، قانون سازی قرآن و سنت کے مطابق اور مخلوط قومیت کی نفی کا نظریہ پیش کرتی ہے۔البتہ اس میدان میں اسلامی انقلاب کی راہ میں مسلم فرقوں (مذہبی و سیاسی دونوں) کے عدم تعاون کے مسئلہ کا حل اور مسلمانوں کا نفاق وانتشار متحدہ انقلاب دشمن قوتوں کا کیسے مقابلہ کرے گا؟ اس پر بھرپور واضح پالیسی تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ معاشی نظام میں تنظیم سود، جوا اور جاگیرداری و غیر حاضر زمینداری کو نکالنے کا منشور پیش کرتی ہے۔ لیکن اس میدان میں انقلاب کی راہ میں جدید بینکنگ و فائنانس جیسے مسائل پیدا ہونے کی بنا پر اور پھر سود، سٹہ و جوا وغیرہ کے متبادل کا امت کی طرف سے متفقہ لائحہ عمل نہ ہونے کا حل پیش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔اسی طرح تنظیم سماجی سطح پر تمام انسانوں کو مساوی البتہ دستوری و قانونی سطح پر مسلم و غیر مسلم میں فرق اور اسی طرح انتظامی امور میں افسر و ماتحت اور مرد و عورت کے درمیان بھی فرق کا فلسفہ سامنے رکھتی ہے۔اس میدان میں کامیابی کے لئے مقامی اور عالمی میڈیا کے انقلاب مخالف پروپیگنڈے کا لائحہ عمل تنظیم میں لازمی زیرِ بحث لایا جائے۔

References

[1] Al- Imrān 3:144.

[2] Khalid Saifullah Rahmani, *Qāmūs al Fiqh* (Karachi, Zamzam Publisher, 2007AD), 2:247.

[3] Jamal al-Dīn Muhammad Ibn Mukarram Ibn Manzūr, *Lisān al-Arab* (Beriīt, Dār Sādir 1994AD), 1:685.

[4] Maulvī Ferozuddin, *Feroz ul lughāt* (Lahore, Feroz Sons, 2005AD), 138.

[5] The New International Webster's Comprehensive Dictionary of the English Language (U.S.A: Trident Press International, 2004AD), 1079.

[6] Tāhir ul Qadrī, *Paigambar-i-Inqilāb aur sahifah-i- inqilāb* (Lahore: Markazi Idāra Minhaj ul Quran 1986AD), 4.

[7] Muhammad Ibn Ismā'īl Bukhārī, *Saīih al-Bukhārī,* Hadith no: 7352.

[8] Markaz-i-Taleem-o-Tahqeeq, Quran Academy Yaseenabad Karachi, *Dr Israr Ahmad aur Tanzeem-i-Islāmī:Aik t'āruf* (Karachi: Anjuman khuddām ul Quran Sindh, 2012AD), 335-336.

[9] Muslim Ibn Hajjāj al-Qushaiyrī, *Sahīh Muslim,* Hadith no: 4099.

[10] Dr. Israr Ahmad, *Khutbāt-i-Khilāfat* (Lahore: Markazaī Anjuman khuddām ul Quran, 1996AD), 99.

[11] Dr. Israr Ahmad, *Khilāfat kī haqeeqat aur asr-i-hāzir main us ka nizām* (Lahore: Markazai Anjuman khuddām ul Quran, 2013AD) 90.

[12] Dr. Israr Ahmad, *Khutbāt-i-Khilāfat,* 104.

[13] Dr. Israr Ahmad, *Khilāfat kī haqeeqat aur asr-i-hāzir main us ka nizām,* 103.

[14] Dr. Israr Ahmad, *Khutbāt-i-Khilāfat,* 120.

[15] Dr. Israr Ahmad, *Khilāfat kī haqeeqat aur asr-i-hāzir main us ka nizām,* 141.

[16] Dr Israr Ahmad, *Khutbat E Khilafat,* 141.

[17] Dr. Israr Ahmad, *Khilāfat kī haqeeqat aur asr-i-hāzir main us ka nizām,* 150.

[18] Dr. Israr Ahmad, *Khutbāt-i-Khilāfat,* 152.

[19] Al-Kahf 18:29.

[20] Al-Dahr 78:3.

[21] Abū al-faḍl al-Qazī Ayāz Ibn Mūsa, *Al-Shifā* (Beriūt, Dār al-Fikr wa lal-nashr wa al-Tawazī‘, 1409 AH, 1988 AD) 2:88.

[22] Al-Ankabūt 29:14

[23] Al-Qamar 54:10

[24] Sād 38:26.

[25] Al-A‘rāf 7:64.

[26] AI-Imrān 3:195.